تم میں سے کوئی اذان ایسی حالت میں سُنے کہ برتن اس کے ہاتھ پر ہو تو وہ اسے نہ رکھے جب تک اپنی حاجت اس سے پوری نہ کرلے اور موذن اذان دیتا تھا جب فجر طلوع ہو جاتی تھی)۔ ابوداؤد اور احمد کی ان دونوں روایتوں کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں اور دونوں کے شروع کا مضمون یکساں ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوسری حدیث پہلی کی تفصیل بیان کر رہی ہے۔ اس تفصیل و اضافہ سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوگئی کہ حدیث میں جس اذان کے دوران میں کھا پی لینے کی رخصت کا ذکر ہے وہ رات والی اذان نہیں، بلکہ طلوعِ فجر والی اذان ہے جسے بالعموم حضرت ابن ام مکتوم دیا کرتے تھے اور مولانا مودودی کا یہ قول عین مطابقِ حدیث ہے کہ "ایک شخص کے لیے یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر عین طلوعِ فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلے تو وہ جلدی سے اٹھ کر کچھ کھا پی لے"۔ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایک تخفیف و تیسیر ہے اور کوئی اللہ کا بندہ اگر اس سے فائدہ اٹھائے تو کسی کی جیب سے کچھ نہیں جاتا۔ پھر اس پر دل میں تنگی محسوس کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

رہی یہ بات کہ اس اذان سے مراد بعض بزرگوں نے حضرت بلالؓ والی اذان لی ہے، تو ان بزرگوں کا احترام ہمارے سر آنکھوں پر، لیکن یہ تاویل کسی طرح دل کو نہیں لگتی۔ حضرت بلالؓ والی اذان تو ہوتی ہی اس غرض کے لیے تھی کہ لوگ اٹھ کر سحری کھائیں۔ اس وقت برتن ہاتھ میں ہونے، اور اس میں سے کھا لینے کی اجازت کا کیا سوال؟ اس وقت تو لوگ اٹھ کر اطمینان کے ساتھ سحری کھاتے تھے۔ جلدی سے کچھ کھا لینے کی اجازت کا سوال اگر پیدا ہوتا ہے تو اسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ دوسری اذان کے وقت کسی کی آنکھ کھلی ہو، یا کسی نے دیر سے سحری کھانی شروع کی ہو اور دوسری اذان ہو جائے۔

دوسرا اعتراض مولانا مودودی کے خلاف یہ ہے کہ وہ مُشت بھر ڈاڑھی کو مسنون نہیں سمجھتے حالانکہ اس پر اجماعِ امت ہے۔ اس اعتراض کا بھی جواب دینے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی کی اصل عبارت سامنے رکھی جائے۔ مولانا نے رسائل و مسائل حصہ اول میں لکھا ہے "ڈاڑھی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مقدار مقرر نہیں کی ہے۔ صرف یہ ہدایت فرمائی ہے کہ رکھی جائے۔ آپ اگر ڈاڑھی رکھنے میں فاسقین کی وضعوں سے پرہیز کریں اور اتنی ڈاڑھی

رکھ لیں جس پر عرفِ عام میں ڈاڑھی رکھنے کا اطلاق ہوتا ہے (جسے دیکھ کر کوئی شخص اس شبہ میں مبتلا نہ ہو کہ شاید چند روز سے آپ نے ڈاڑھی نہیں مونڈی ہے)، تو شارع کا منشا پورا ہو جاتا ہے، خواہ اہلِ فقہ کی استنباطی شرائط پر وہ پوری اُترے یا نہ اُترے"۔

اس امر سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈاڑھی کی کسی خاص مقدار کی تعیین فرمائی ہو۔ آنحضورؐ کا حکم عام ہے کہ ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں گھٹاؤ۔ جہاں تک اس حکم کی بجاآوری کی عملی صورت کا تعلق ہے اس میں استنباط سے کام لیا گیا ہے اور استنباط میں اختلاف بھی رونما ہوا ہے۔ بعض کے نزدیک ڈاڑھی کو بلانہایت بڑھانا اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دینا مقتضائے سنت ہے۔ بعض کے نزدیک مٹھی بھر ڈاڑھی مسنون ہے اور لمبی ڈاڑھی مکروہ ہے۔ بعض کے نزدیک کوئی خاص حد مقرر نہیں، بس ڈاڑھی رکھنا مشروع ہے۔ جو حضرات ایک مشت ڈاڑھی کو مسنون سمجھتے ہیں، ان کا بیشتر انحصار حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے عمل پر ہے کیونکہ وہ قبضے سے زائد ڈاڑھی کو ترشوا دیا کرتے تھے یا صحیح تر روایت کے بموجب انھوں نے حج اور عمرے کے موقع پر ایسا کیا تھا۔ خود حضرت ابنِ عمرؓ سے کوئی صراحت ایسی مروی نہیں جس سے معلوم ہو کہ آیا وہ ایک قبضہ ڈاڑھی ہی کو مسنون سمجھتے تھے، اور مسنون ہونے کی صورت میں ان کے نزدیک یہ مقدار کم سے کم کی حد تھی یا زیادہ سے زیادہ کی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابنِ عمر کے اس فعل کو اتباعِ سنت پر محمول کرنے کی صورت میں بھی اس سے دونوں طرح کے استنباط کی گنجائش موجود ہے۔ اگر ان کے اس فعل کو حج یا عمرے کے ساتھ مخصوص سمجھا جائے تو اس سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ یہ مقدار ان کے نزدیک کم سے کم کا درجہ رکھتی تھی اور بالعموم آپ اس سے بڑی ڈاڑھی رکھتے تھے۔ اور اگر ان کا عام عمل یہ مانا جائے کہ وہ ایک مشت سے زائد کو ترشوا لیا کرتے تھے اور ڈاڑھی کو مٹھی بھر سے زیادہ بڑھنے نہیں دیا کرتے تھے تو اس سے یہ استدلال بھی کیا جا سکتا ہے کہ یہ مقدار ان کے نزدیک زیادہ سے زیادہ کی حد تھی۔ اس طرح کے استنباط کی بنا پر اگر بعض فقہا قبضے سے زائد ڈاڑھی ترشوا دینے کو واجب

قرار دے سکتے ہیں، تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ قبضے سے کم مقدار کو جائز یا مباح سمجھ لینے میں کون سا امر شرعی مانع ہے؟

باقی رہا صاحبِ درمختار وغیرہ کا یہ فرمانا کہ مٹھی بھر ڈاڑھی کی مقدار پر اجماع ہے اور اس سے کم کو کسی نے بھی مباح قرار نہیں دیا تو یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کا اثبات بڑا مشکل ہے۔ میں دوسرے مذاہبِ فقہیہ کو چھوڑ کر سرِدست یہاں علامہ عینی حنفی کی تصنیف عمدۃ القاری، کتاب اللباس، باب تقلیم الاظفار" میں سے کچھ حصہ عبارت کا نقل کرتا ہوں جس میں وہ توفیر لحیہ والی حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام طبری کے حوالے سے فرماتے ہیں" قد ثبت الحجة عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی خصوص ھذا الخبر ان اللحیة محظور اعفاؤھا وواجب قصھا علی اختلاف من السلف فی قدر ذلک وحدہ فقال بعضھم حد ذلک ان یزاد علی قدر القبضة طولا وان ینتشر عرضا فیقبح ذلک ... وقال آخرون یاخذ من طولھا وعرضھا مالم یفحش اخذہ ولم یحد وافی ذلک حدا" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی دلیل ثابت ہے کہ ڈاڑھی بڑھانے کے متعلق، حدیث کا حکم عام نہیں بلکہ اس میں تخصیص ہے اور ڈاڑھی کا اپنے حال پر چھوڑ دینا ممنوع اور اس کا ترشوانا واجب ہے، البتہ سلف میں اس کی مقدار اور حد کے معاملے میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ اس کی حد یہ ہے کہ وہ لمبائی میں ایک قبضے سے بڑھ جائے اور چوڑائی میں بھی پھیل جانے کی وجہ سے بُری معلوم ہو۔ ... بعض دیگر اصحاب اس بات کے قائل ہیں کہ لمبائی اور چوڑائی میں کم کرائے بشرطیکہ بہت چھوٹی نہ ہو جائے، انہوں نے اس بارے میں کوئی حد مقرر نہیں کی)۔ اس کے بعد فرماتے ہیں" غیر ان معنی ذالک عندی مالم یخرج من عرف الناس (البتہ اس کا مطلب میرے نزدیک یہ ہے کہ ڈاڑھی کا ترشوانا اس حد تک جائز ہے کہ وہ عرفِ عام سے خارج نہ ہو جائے)۔

اب اگر ایک شخص انصاف کی نظر سے اور تعصب سے خالی ہو کر دیکھے تو وہ خود بآسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ مولانا مودودی کی مذکورۂ بالا عبارت اور عمدۃ القاری کی اس عبارت میں آخر کون سا ایسا بڑا فرق ہے جس کی بنا پر ایک کو تو گوارا کر لیا جائے اور دوسری کی تردید میں مخالفانہ مہم چلانا ضروری ..... سمجھا جائے۔